

قرآت خلف الامام

وجوب فاتحہ خلف الامام پر محمد ابراہیم سیالکوٹی کا رد

افادات

علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ

ترتیب

حافظ محمد ندیم قاسمی

النعمان سوشل میڈیا سروسز

www.AlnomanMedia.com

فاتحہ خلف الامام

خطبہ:

الحمدللّٰه الذی شرع لنااتباع الکتاب و السنة دیناً و سبیلا و وضع لشرحهما تفقه العلمأ واجماع الامة معینا و دلیلا والصلوٰة والسلام علی رسوله النبی الامی الذی جعل السوال لمن کان بداء العی علیلاً وانذر من کتم علما سُل عنه اخذً اوبیلا وعلیٰ اله الاتقیاء وصحبه الاصفیاء وورثته من العلماء والا ولیاء امدًا طویلاً......امابعد!

تمہید:

پچھلے چند دنوں سے شہر سیالکوٹ میں مولانا محمد ابراہیم صاحب کی ''تحریک خیر'' سے ''قرأت خلف الامام'' ایک اچھا خاصہ عوامی اور ہنگامی مسئلہ بنا ہوا ہے...... مولانا سلطان محمود صاحب نے ملک وملت کے موجودہ حالات کے پیش نظر اس تحریک کے روز اول کو ہی روز آخر بنانے کی یہ حکیمانہ تدبیر اختیار کی ...... کہ مولانا ابراہیم صاحب سے انہی کی مسجد میں...... انہی کے جلسے کے موقع پر...... مذکورہ مسئلے پر اظہار مسئلہ کی اجازت چاہی...... جسے مولانا محمد ابراہیم صاحب نے قبول کرنے کی ہمت نہ کی...... اور ایسے دم بخود ہوئے...... کہ آج تقریباً ایک دو ماہ بعد پہلی کروٹ لی ہے اور ایک سو صفحے کا رسالہ شائع کیا ہے...... تا کہ اپنے غیر مقلد ساتھیوں کو تسلی دے سکیں۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب نے اپنے اس رسالہ مین میرے بعض ان اعتراضات کا جواب دینے کی ناکام کوشش کی ہے...... جو احقر نے ایک اجتماع عام



میں......ان روایات پر پیش کئے تھے......جنہیں مولانا موصوف نے اپنی تقریر میں وجوب فاتحہ خلف الامام کے لئے بطور نص صریح پیش کیا تھا۔

احقر نے جامع مسجد حضرت مولانا عبدالحکیمؒ سیالکوٹی میں غیر مقلدین کے دلائل کا تجزیہ ان الفاظ میں کیا تھا۔

جو حضرات امام کے پیچھے خود سورت فاتحہ پڑھنا فرض جانتے ہیں......ان کے دلائل دو قسم کے ہیں۔ایک ''صحیحہ غیر صریحہ'' دوسرے ''صریحہ غیر صحیحہ'' اول الذکر سے میری مراد......وہ روایات ہیں جو صحیح تو ہیں......لیکن ان میں خلف الامام وغیرہ کی کوئی صراحت موجود نہیں......اور ان سے کھینچ تان کر عموم وغیرہ کے سہارے تلاش کر کے مطلب نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے......اور ''صریحہ غیر صحیحہ'' سے میری مراد......وہ احادیث ہیں جو یہ حضرات قرأت فاتحہ خلف الامام کے لئے بطور نص صریح پیش کرتے ہیں......ان میں خلف الامام اور وراء الامام وغیرہ کے الفاظ تو ضرور موجود ہیں......لیکن ایسی تمام احادیث قطعیۃ صحیح نہیں......یعنی قرأت خلف الامام کے لئے بطور نص صریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایسی صحیح حدیث موجود نہیں......جس میں

۱)...... امام کے پیچھے ہونے کی بھی پوری صراحت موجود ہو۔

۲)...... مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنے کا یہ حکم بطور فرض کے ہو۔

۳)...... اس کی سند میں بھی کوئی ایسا راوی نہ ہو جسے کسی امام حدیث نے ضعیف جھوٹا یا مجہول کہا ہو۔

اس کے بعد جامع مسجد ادارہ ارائیاں کے عظیم الشان اجتماع میں...... احقر نے ان تمام روایات پر تفصیلی جرح بھی پیش کی......جنہیں یہ حضرات مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ کے فرض ہونے پر بطور نص صریح پیش کرتے ہیں...... اور

وضاحت کے ساتھ بتایا کہ ایسی تمام روایات کی سندیں...... ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْض...... کے ہی قبیل سے ہیں۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب میر نے اس کے جواب میں جو کچھ اپنے گلدستہ سنت میں کہا ہے...... وہ اس قابل تو نہ تھا...... کہ اس کا جواب لکھا جائے...... لیکن بعض غیر مقلد حضرات کے اصرار شدید کے باعث رسالہ زیر نظر میں اس کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے...... اور بتایا گیا ہے کہ مولانا موصوف نے اس آخری عمر میں...... فرقہ وارانہ تعصب کے کون کون سے جوہر دکھلائے ہیں...... کن کن عبارات کو کانٹ چھانٹ کر پیش کیا ہے...... اور طبقات رواۃ اور علل رجال پر بالغ نظری نہ ہونے کے باعث کہاں کہاں علمی ٹھوکریں کھائی ہیں...... یہ رسالہ علوم حدیثیہ اور فنون علمیہ پر کئے گئے مظالم کے خلاف انصاف کی ایک پکار ہے...... اور بدعت کی سیاہ رات میں نور سنت کا ایک کرمک شب تاب ہے ایک ایسی حقیقت سے نقاب کشائی کی گئی ہے اور جس پر عمل بالحدیث کے نعرۂ دلفریب کے ساتھ کے بارہ میں بتایا گیا ہے کہ روایات پر کس طرح تاویل وتحریف کے ہاتھ صاف کئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے...... کہ اس ناچیز خدمت کو اپنے حضور میں قبول فرمائے...... تا اہل علم کے لئے موجب بصیرت ہو...... اور اہل تذبذب کے لئے باعث طمانیت بنے!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمِ وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مولانا محمد ابراہیم صاحب میر نے پہلے حضرت عبادہ بن صامت کی

روایت سنن دار قطنی سے تقریباً آدھی نقل کی ہے...... اور اس کے بعد کہا ہے کہ امام دار قطنی نے اس کے سب راویوں کو ثقہ کہا ہے...... اس کے بعد اسی حدیث کے لئے سنن ابی داؤد کا بھی حوالہ دیا ہے...... اور بعد ازاں حافظ ابن حجر کے حوالہ سے اس حدیث کی اس روایت کی تصحیح نقل کی ہے...... جو محمد بن اسحٰق کے واسطے سے مروی ہے۔

تنقیح:

مولانا سے اس مقام پر یہ علمی لغزش ہوئی ہے...... کہ جو حدیث انہوں نے دار قطنی اور ابو داؤد کے حوالہ سے پیش کی ہے...... وہ محمد بن اسحاق کے واسطہ کے بغیر ہے...... اور تصحیح جس روایت کی تلخیص الحبیر کے حوالہ سے نقل کی ہے...... وہ محمد بن اسحاق کے واسطہ سے مروی ہے...... یہ بے جوڑ طرز استدلال ہمارے فہم سے بالا ہے...... مولانا کو چاہیے تھا کہ یا تو محمد بن اسحاق والی روایت بھی درج کر دیتے...... اور پھر اس کی تصحیح نقل کرتے...... اور یا اس روایت کو پہلی روایت کی تائید لکھ کر آگے تصحیح پیش کر دیتے...... معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے دونوں روایتوں کو جمع کر کے پیش کیا ہے...... اور علیحدہ علیحدہ دونوں طریقوں پر بحث نہیں کی۔

بس احقر بھی پہلے مولانا کے طرز پر ہی بلا امتیاز طریق محمد بن اسحاق اور طریق نافع بن محمود کی اصل روایت کا جواب عرض کرتا ہے...... اور بعد ازاں اپنے طرز پر دونوں پر علیحدہ علیحدہ جرح کی جائے گی۔

مولانا اس روایت کے مجروح ہونے سے یوں لاعلمی کا اظہار فرماتے ہیں:

"جواباً عرض ہے کہ مجھے اس کے ضعف کا علم تب ہو......" "جب کوئی امام حدیث اس کو ضعیف کہے" اور آخر میں کہتے ہیں...... "اگر یہ روایت واقعی آپ مولوی خالد محمود صاحب کے نزدیک ضعیف تھی...... تو لازم تھا کہ اسی وقت کسی امام

حدیث کے قول سے اس کا ضعف ذکر کردیتے...... جسے وہ کبھی بھی تا اختتام حیات خود ثابت نہیں کرسکیں گے۔" (گلدستہ سنت ص:7)

جواب:

حضرت مزید انتظار کی حاجت نہ رہے...... اور عمر کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ ابھی سنئے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ ارشاد فرماتے ہیں:

هذا الحديث معلل عن ائمة الحديث كا حمد وغيره من الائمة وقدبسط الكلام على ضعفه فى غير هذا الموضع وبين ان الحديث الصحيح قول رسول الله ﷺ لاصلوٰة الابام القرآن فهذا هو الذى اخرجاه فى الصحيح رواه الزهري عن محمود بن الربيع عن عبادة واما الحديث فغلط فيه بعض الشاميين واصله ان عبادة كان يوم فى بيت المقدس فقال هذا فاشتبه عليهم المرفوع بالموقوف على عبادة۔

"اس حدیث کو حضرت امام احمد اور ان جیسے دوسرے کئی ائمہ حدیث نے معلول قرار دیا ہے...... اور کسی دوسرے مقام پر اس کا ضعیف ہونا نہایت شرح و بسط سے بیان ہوچکا ہے...... اور واضح کیا گیا ہے کہ صحیح حدیث میں حضور کا ارشاد صرف اتنا ہی ہے...... لاصلوٰۃ الابام القرآن ...... اور اسے ہی امام بخاری...... اور امام مسلم...... نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے...... لیکن یہ حدیث جس میں خلف الامام وغیرہ کی زیادتی ہے...... تو یہ بعض شامی راویوں کی غلطی کا نتیجہ ہے...... بات صرف یہ تھی کہ عبادہ بن صامتؓ نے ایک دن (اپنے کسی عمل پر) بیت المقدس میں

ارشاد فرمایا......تو راویوں پر حضور کا اپنا ارشاد اور حضرت عبادہ کا اپنا طرزِ عمل مشتبہ اور خلط ملط ہو گئے۔ (فتاویٰ امام ابن تیمیہ جلد۲ ص۱۵۰ مصر)

اور ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں......ضعفه ثابت بوجوه وانما هو قول عبادة بن صامت...... (تنوع العبادات ص:86)

اس حدیث کا ضعف کئی وجوہ سے ثابت ہے......اور یہ سوائے اس کے نہیں کہ عبادہ بن صامت کا اپنا (اجتہادی) قول ہے......اسی حدیث کے عیب کی نشان دہی میں الامام الحافظ المحدث العلامتہ الذہبی جنہیں نقد اسماء الرجال میں ملکہ تام حاصل ہے......امام ابن حبان سے نقل کرتے ہیں۔(حدیث معلل) اس کی حدیث میں عیب ہے۔(میزان الاعتدال ج:۳:ص:227 مصر)

علاوہ ازیں امام ابن عبدالبرؒ بھی کتاب التمہید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ صحیح حدیث میں......آنحضرت کا صرف اتنا ہی ارشاد ہے......"لاصلوۃ الابام القرآن" جو زہری عن محمود بن الربیع عن عبادۃ کے طریق سے منقول ہے...... اور اس کے سوا جو کچھ ہے......سب ضعیف اور مضطرب ہے......ر وراجع له الجوهر النقي؟

یعنی وہ روایت جس میں قصہ صلوٰۃ فجر کا مع سوال و جواب کے وارد ہے......اور اس کے آخر میں "الابام القرآن" کی استثنا ہے......وہ صحیح نہیں بلکہ مضطرب اور ضعیف ہے......امام زیلعی شارح کنز بھی فرماتے ہیں...... کہ امام احمد نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب کی پیش کردہ اس روایت کا سلسلہ اسناد کیا ہے۔ ......ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْض ......ایک طریق میں محمد بن اسحاق ہے جس پر جرح کے شدید ترین الفاظ کتب رجال میں موجود ہے......ایک طریق میں نافع بن محمود ہے......جس کو اکابر ائمہ فن مجہول و مستور قرار دے رہے ہیں...... جیسا کہ

آئندہ انشاء اللہ العزیز تفصیلاً ذکر ہوگا...... اب اسکے باوجود مولانا یہ تجاہل عارفانہ فرماتے ہیں کہ انہیں اس کے ضعف کا علم نہیں تو یہ ان کی مصلحت یا قصور مطالعہ ہے...... ہم نے تو بفضلہٖ تعالیٰ ان کے مطالبہ کو پورا کر دیا ہے...... یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ ان سب ائمہ فن کی بھی نہ سنیں اور ''انا ولا غیری'' کے مغالطہ میں مبتلا رہیں۔

علاوہ ازیں اس روایت کے پیش کرنے میں مولانا محمد ابراہیم صاحب نے یہ کمالات دکھلائے ہیں۔

اوّل: دارقطنی کی اس روایت کا پہلا حصہ حذف ہے...... کیونکہ اس کے ہوتے ہوئے...... ان کے دعویٰ اور دلیل میں مطابقت زیادہ مشکل تھی۔

دوم: اس حدیث کے پیش کرنے کے بعد ایک بڑی غلط بیانی کی ہے...... اور اس کے معنی سمجھنے میں بڑی علمی ٹھوکر کھائی ہے۔

سوم: مولانا کی اس بنیادی حقیقت پر نظر نہیں...... کہ درباره توثیق امام دارقطنی کا معیار جمہور ائمہ حدیث کے نزدیک قابل قبول ہے یا کہ نہیں۔

اب اس اجمال کی تفصیل لیجئے...... اولاً وہ پوری روایت ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے...... جس کا پہلا حصہ مولانا نے چھوڑ دیا ہے۔

نافع بن محمود بن ربیع انصاری کہتے ہیں کہ...... ایک دن حضرت عبادہ بن صامت صبح کی نماز کے لئے کچھ دیر سے آئے...... پس ابونعیم مؤذن نے اقامت کہہ دی اور آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے بیت المقدس میں اذان کہی...... ابونعیم ہی نے امامت کی اور حضرت عبادہ آگئے...... اور میں ان کے ساتھ تھا...... حتیٰ کہ ہم ابونعیم کے پیچھے صف میں کھڑے ہوگئے...... آپ جہر کے ساتھ قرأت کر رہے تھے...... اور عبادہ بن صامت نے سورۃ فاتحہ پڑھنی شروع کر دی...... جب فارغ ہوئے تو میں نے حضرت عبادہ سے پوچھا:

قد صنعت شيئاً فلا ادري اسنة هي ام سهو كانت عنك

آپ نے ایک ایسا کام کیا ہے...... کہ میں نہیں جانتا کہ سنت ہے یا کہ آپ کی بھول تھی...... اس پر حضرت عبادہ نے پوچھا وہ کیا ہے...... جواباً نافع نے کہا کہ میں نے آپ کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے سنا ہے...... حالانکہ امام جہر کے ساتھ قرأت کر رہا تھا...... آپ نے فرمایا۔ ''ہاں'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک دفعہ ہمیں نماز پڑھائی جس میں کہ قرأت اونچی پڑھی جاتی ہے...... پس آپ کو قرأت میں التباس ہو گیا...... جب آپ فارغ ہوئے ......تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا...... کہ جب میں قرأت اونچی پڑھتا ہوں......تو کیا تم بھی۔ کچھ پڑھتے ہو...... ہم میں سے بعض نے کہا کہ ''ہاں'' حضور ہم ایسا کرتے ہیں...... اس پر آپ نے فرمایا...... تبھی میں کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن پڑھنے میں منازعت کیوں کی جارہی ہے...... پس تم میرے پیچھے سوائے سورۃ فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرو۔'' (سنن دار قطنی ج:1 ص:121)

حضرات! یہ ہے وہ روایت جسے مولانا نے دار قطنی کی توثیق کے سہارے بڑے شد و مد سے پیش کیا ہے...... اس کے سلسلہ اسناد کا کیا حال ہے...... اور ائمہ تنقید کے نزدیک اس کا کیا درجہ ہے...... اس پر کچھ بحث ہو چکی اور کچھ محمد بن اسحاق کی تضعیف اور نافع کی تجہیل کے ضمن میں آگے آئے گی...... اس وقت مجھے یہ عرض کرنا مقصود ہے...... کہ اس روایت سے کون کون سے امور ثابت ہوتے ہیں...... جن کے خدشہ سے مولانا نے اس روایت کے پہلے حصہ کو عمداً چھوڑ دیا ہے...... اس روایت سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوئے۔

ا۔ نافع بن محمود جو نماز کی جماعت میں حضرت عبادہؓ بن صامت صحابی کے ساتھ کھڑے تھے ......امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھا کرتے تھے...... ورنہ اس

قدر تعجب کے ساتھ سوال نہ کرتے...... اور چونکہ نافع بن محمود طبقہ ثالثہ سے ہیں...... اور طبقہ ثالثہ والے اکثر صحابہ کے حالات سے باخبر ہوتے ہیں...... جیسا کہ تقریب سے ظاہر ہے...... پس معلوم ہوا کہ نافع بن محمود کو اپنے اساتذہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے قرأت فاتحہ خلف الامام کی تعلیم تو درکنار...... اجازت بھی نہ ملی ہوئی تھی...... جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اکثر صحابہ کرامؓ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھتے تھے۔ ہاں حضرت عبادہؓ نے اس کے خلاف عمل کیا...... اور اعتراض ہونے پر دلیل اباحت بیان کر دی۔

۲۔ حضرت عبادہؓ بن صامت کے نزدیک بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض نہ تھا...... کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو جب انہیں پتہ چلا تھا کہ نافع بن محمود نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی...... جیسا کہ اس کے سوال سے ظاہر تھا...... تو حضرت عبادہؓ فوراً اسے کہتے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی...... اسے دوبارہ پڑھو۔ کیونکہ اس طرح...... نهی عن المنكر...... سب مسلمانوں پر فرض ہے...... مگر جب حضرت عبادہؓ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا...... تو معلوم ہوا کہ وہ بھی فاتحہ خلف الامام کو فرض نہ جانتے تھے۔

لان السكوت فی معرض البيان بيان

۳: نافع بن محمود نے سوال میں یہ کہا تھا کہ ”فلا ادری أسنة هی ام سهو كانت منك“ (میں نہیں جانتا کہ یہ سنت ہے یا آپ کی بھول تھی) اور اسی پر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے ہاں کی تھی...... اس سوال و جواب سے پتہ چلا کہ ہر دو حضرات کے نزدیک قرأت فاتحہ خلف الامام انہی دو احتمالات میں محصور تھی...... کہ یا سنت ہو یا بھول...... پس فاتحہ خلف الامام کو فرض کہنا...... اس ضعیف حدیث کے بھی خلاف ہے۔

علاوہ ازیں اس پر غور کرنا چاہیے کہ منع قرأت کی علت حضور ﷺ نے یہ بیان فرمائی......مالی انازع القرآن...... کہ قرآن پڑھنے میں میرے ساتھ منازعت کیوں کی جاتی ہے......پس اس کے آخری حصہ میں اگر......الا بام القرآن کی استشناء صحیح مانی جائے......تو علت اور معلولمیں مطابقت نہیں رہتی...... کیونکہ ام القرآن بھی قرآن میں داخل ہے......وہ منازعت سے کیسے نکل گئی؟ یہ تو ہونہیں سکتا کہ اس کے علاوہ باقی قرآن آپ کو کم یاد اور کم ضبط تھا......(معاذ اللہ) اور اس سورۃ میں متشابہ نہیں پڑسکتا تھا...... کیونکہ یہ تو آپ کے مقام رفیع کے بالکل خلاف ہے......پس معنوی اعتبار سے بھی یہ ٹکڑا اضطراب سے خالی نہ رہا۔

اس روایت کے پیش کرنے میں مولانا محمد ابراہیم صاحب کا دوسرا کمال ......بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہوتی تو آنحضرت کا یہ ارشاد کہ:

فلا تقرؤا بشیء من القران اذاجہرت الابام القرآن

جب میں اونچی قرأت کروں......تو تم قرآن میں سے سوائے فاتحہ کے کچھ بھی نہ پڑھا کرو...... صاف بتلاتا ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا صرف مباح رکھا گیا......حضور نے اسے نہ فرض قرار دیا ہے......اور نہ اس کا حکم دیا ہے ......مگر مولانا اس روایت کو پیش کر کے غیر مقلدین کو یوں مغالطہ دیتے ہیں۔

”اس میں تبصریح رسول خدا کی زبان مبارک سے ثابت ہے۔
کہ آپ نے جہر قرأت کے وقت بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ
پڑھنے کا حکم دیا ہے۔“ (گلدستہ سنت نمبر 6)

ناظرین کرام!

اس ضعیف حدیث میں جو مولانا نے نقل کی ہے...... کیا کہیں رسول خدا

کا یہ حکم موجود ہے...... کہ امام کے پیچھے بھی سورۃ فاتحہ ضرور پڑھا کرو...... چہ جائیکہ اس حکم کے صریح ہونے کا دعویٰ کیا جائے...... اگر آپ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا...... اور یقیناً نہیں دیا تو اس غلط بیانی پر ہم سوائے اس کے کیا کہہ سکتے ہیں۔

ان هذا الا بهتان عظیم

اور اگر مولانا نے جان بوجھ کر مغالطہ دینے کی کوشش نہیں کی...... تو پھر اس حدیث سے ان کا یہ نتیجہ نکالنا کہ اس میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا آپ نے حکم دیا ہے...... بہت بڑی علمی ٹھوکر ہے...... حضرت سنیئے از روئے اصول جب نہی سے استثناء ہو تو وہ مفید اباحت ہوتا ہے...... نہ کہ مفید وجوب...... دور نہ جایئے...... قرآن پاک میں ہی دیکھئے...... رب العزت ان عورتوں کے متعلق جو خاوند کے نکاح سے جدا تو ہو گئیں...... لیکن ہنوز عدت ختم نہیں ہوئی...... ارشاد فرماتے ہیں:

لَا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (البقرۃ 235)	ان عورتوں سے چھپ چھپا کر نکاح کا وعدہ نہ کر رکھو مگر کوئی بات شریعت کے رواج کے مطابق کہہ سکتے ہو۔

اب یہاں...... لَا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا ...... نہی ہے یعنی ایک بات سے روکا گیا ہے...... اور اس کے بعد...... قَوْلٌ مَّعْرُوْف...... کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے ...... اب کیا کوئی صاحب علم یہ بات کہہ سکتا ہے...... کہ اب ان عورتوں سے جو خاوند کے نکاح سے جدا تو ہو گئیں...... اور ابھی دوران عدت میں ہیں...... قَوْلٌ مَّعْرُوْف ...... کے ضمن میں نکاح کا اشارہ دینا فرض ہو گیا ہے...... ہر گز نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا کرنا چاہے...... تو اسے اس طریق کے مطابق اجازت ہے...... یہ نہیں کہ اب ایسا کرنا ہر ایک کے لئے فرض ہو گیا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ جب نہی سے استثناء ہو تو وہ مفید اباحت ہوتا ہے...... نہ کہ مفید وجوب...... باپ اگر بیٹے کو یوں نصیحت کرے کہ بیٹا سکول کے راستے میں اپنے فلاں دوست کے سوا...... اور کہیں نہ ٹھہرا کرو...... تو بیٹا اس سے اگر یہ سمجھ لے کہ اب اس دوست کے ہاں ٹھہرنا فرض ہو گیا ہے...... تو یہ اس کی غباوت اور جہالت ہوگی...... اسی طرح اگر یہ ارشاد ہوا کہ امام کے پیچھے سوائے سورت فاتحہ کے...... اور کچھ نہ پڑھا کرو...... تو اس کا مطلب یہی ہے...... کہ اس کے پڑھنے کی اجازت ہے۔ یہ نہیں کہ اب اس کا پڑھنا فرض ہو گیا ہے۔

"نعوذ باللہ من الجھل وسوء الفھم"

ہاں یہ بحث علیحدہ ہے کہ یہ اباحت مرجوحہ تھی...... یا غیر مرجوحہ اور بعدازاں بھی یہ اباحت قائم رہی...... یا نہ لیکن یہ حقیقت بہرحال آشکارا ہے...... کہ اس حدیث میں امام کے پیچھے قرأت سورۃ فاتحہ کے فرض ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں...... اور نہ آنحضرت ﷺ نے مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے...... پس مولانا محمد ابراہیم صاحب میر کی یہ جرأت صرف ایک تعصب کا نتیجہ ہے۔

''اس میں تصریح رسول خدا کی زبان مبارک سے ثابت ہے
کہ آپ نے جہر قرأت کے وقت بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ
پڑھنے کا حکم دیا ہے۔'' (ص:6) (معاذ اللہ)

اس تفصیل سے میرا مدعا یہ ہے...... کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہوتی تب بھی اس سے مولانا کا مسلک ہرگز ثابت نہ ہو سکتا تھا...... چہ جائیکہ اس کی اسانید بھی ''ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ'' کے قبیل سے ہوں...... اب ہم مولانا کے تیسرے کمال سے اپنے قارئین کو روشناس کراتے ہیں۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب میر کی طرف سے اس حدیث کی توثیق۔

مولانا نے اس حدیث کی توثیق امام دارقطنی سے بڑی شدومد کے ساتھ نقل کی ہے...... اور انہیں اس نقل پر بڑا ناز ہے کہ امام دارقطنی نے اس کے راویوں کے متعلق تصریح کی ہے کہ کلھم ثقات...... (دار قطنی ص: 121)

اور آخر میں مولانا فرماتے ہیں:

"امام حدیث اس کے سب راویوں کو ثقہ کہیں تو مجھ عاجز کی کیا بساط ہے کہ اس کو ضعیف کہوں۔"

الجواب:

مولانا محمد ابراہیم صاحب میر نے اس مقام پر بھی ایک بڑی علمی ٹھوکر کھائی ہے...... اور وہ اس بنیادی بات کو نہیں سمجھ سکے کہ ضروری نہیں...... کہ امام دارقطنی کے ثقہ کہنے سے کوئی راوی دوسرے محدثین اور اکابر ائمہ فن کے نزدیک بھی ثقہ ثابت ہو جائے...... کیونکہ کسی راوی کو ثقہ قرار دینے میں امام دارقطنی اور دوسرے ائمہ حدیث میں ایک بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔

امام دارقطنی کے نزدیک اگر کسی مجہول الحال شخص سے دو ثقہ راوی روایت کریں تو نہ صرف اس کا مجہول العین ہونا اٹھ جاتا ہے...... بلکہ اس کا ثقہ ہونا بھی ساتھ ہی ثابت ہو جاتا ہے...... وہ کہتے ہیں:۔

"من روی عنه ثقتان فقد ارتفعت جهالته و ثبتت عدالته"

(فتح المغیث ص:137)

یعنی فقط دو معتبر راویوں کے روایت کرنے سے جہالۃ العین...... اور جہالۃ الوصف کے دونوں اعتراض رفع ہو جاتے ہیں...... لیکن جمہور محدثین اور اکابر ائمہ فن کے نزدیک اگر کسی مجہول الحال شخص سے دو معتبر راوی روایت کریں...... تو اس سے جہالۃ العین کا اعتراض تو اٹھ جائیگا...... لیکن محض اس بناء پر

اس کا ثقہ ہونا ہرگز ثابت نہ ہو سکے گا...... بلکہ وہ بدستور مجہول الحال ہی رہے گا...... جب تک کہ اس کی ثقاہت مستقل طور پر ثابت نہ ہو جائے۔

الامام الحافظ المحدث خطیب بغدادیؒ (متوفی 463) فن حدیث کی مایہ ناز کتاب کتاب الکفایہ فی علم الروایہ میں لکھتے ہیں:

واقل ما ترتفع به الجهالة ان يروى عن الرجل اثنان فصاعداً من المشهورين بالعلم	کم از کم جس چیز سے جہالت اٹھ سکتی ہے یہ ہے کہ اس سے دو یا دو سے زیادہ معتبر راوی روایت کریں

اور پھر اس کی تفصیل کرتے پیش ہیں:

قلت الا انه لا يثبت له حكم العدالة بروايتها عنه وقد زعم قوم ان عدالته تثبت بذاك ونحن لذكر فساد قولهم بمشية الله وتوفيقه (کتاب الکفایہ فی علم الروایہ ص۸۹)	میں کہتا ہوں کہ فقط دو معتبر شخصوں کے اس سے روایت کرنیکی وجہ سے اس کا ثقہ ہونا ہرگز ثابت نہ ہو سکے گا اور کچھ لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ فقط اسی بناء پر اس کا ثقہ ہونا لازم آجاتا ہے اور ہم انشاء اللہ ان لوگوں کی بات کے فساد کو آشکار کریں گے۔"

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

وان روى عنه اثنان فصاعدا ولم يوثق فهو مجهول الحال وهو المستور (شرح نخبۃ الفکر ص:71)	اور اگر کسی شخص سے دو یا زیادہ معتبر راوی روایت کریں۔ لیکن وہ ثقہ قرار نہ دیا گیا ہو تو وہ بدستور مجہول الحال ہی رہے گا۔

تنقیح:

دار قطنی کے فتح المغیث والے بیان کے مقابلہ میں اکابر ائمہ فن کی ان تصریحات سے بالکل واضح ہوگیا...... کہ امام دار قطنی کے نزدیک بعض ایسے راوی بھی ثقہ ہیں...... جو دوسرے ائمہ اصول حدیث کے نزدیک مجہول الحال ہوتے ہیں...... پس امام دار قطنی اگر کسی سند کے راویوں کو کُلُّھُم ثقات بھی کہہ دیں...... تو ضروری نہیں کہ یہ تمام راوی جمہور ائمہ حدیث کے نزدیک بھی ثقہ ہی ہوں...... بلکہ سلسلہ اسناد کی پڑتال کی جائے گی اور دیکھا جائیگا...... کہ کیا اس میں کوئی ایسا راوی تو نہیں جس پر مجہول الحال ہونے کا الزام ہو...... کیونکہ ہوسکتا ہے...... کہ امام دار قطنی اسے خاص اپنے قاعدے کی رو سے ثقہ کہہ رہے ہوں...... اور جمہور ائمہ حدیث کے نزدیک وہ ہنوز مجہول الحال ہی ہو...... اس لئے کہ اس کے ثقہ ہونے پر کوئی مستقل اور علیحدہ دلیل موجود نہیں ہے۔

خیر مولوی محمد ابراہیم صاحب میر تو محدثین کے اس مؤقف کو ہی نہ سمجھ پائے اور انہوں نے نافع بن محمود پر مشتمل سند کو دار قطنی کے کہنے پر معتبر سمجھ لیا...... لیکن افسوس ہے مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری پر جنہیں بعض حلقوں میں حدیث دان سمجھا جاتا ہے...... وہ بھی اپنی قابلیت کو بالائے طاق رکھ کر محض حمایت مذہبی کے لئے ایک ایسی بات کہہ گئے...... جس کی حدیث کے کسی طالبعلم سے بھی توقع نہ ہوسکتی تھی...... مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں:

"ثقہ اس راوی کو کہتے ہیں جو عادل اور ضابط ہو، پس جو راوی عادل ہو ضابط نہ ہو یا ضابط ہو عادل نہ ہو اس کو ثقہ نہیں کہیں گے...... پس اگر امام دار قطنی نے نافع بن محمود کی تعدیل باعتبار اپنے مذہب کے کی ہوتی...... تو ان پر لفظ ثقہ کا اطلاق نہ کرتے...... بلکہ لفظ عدل یا عادل کا

اطلاق کرتے۔ (تحقیق الکلام ص:76)

جواباً عرض ہے کہ جب ثقہ ہونے کی بنیاد دو جزو ہیں...... عادل ہونا اور ضابط ہونا تو جہاں کسی جزو میں باعتبار مصداق کے اختلاف واقع ہوگا...... وہاں اس کل میں باعتبار مصداق کے اختلاف کیوں نہیں ہوگا...... کسی راوی کو عادل قرار دینے مین جہاں دارقطنی اور جمہور محدثین کا اختلاف ہوگا...... وہاں اس عادل پر ضابط ہونے کے جزو ملنے پر جو ثقاہت قائم ہوگی...... اس میں دارقطنی اور جمہور محدثین کا اختلاف کیوں نہ لازم آئے گا...... کل اپنے اجزا سے کس طرح بے نیاز رہ سکتا ہے...... بنیاد میں تو اختلاف ہو...... لیکن نتیجے میں کوئی اختلاف لازم نہ آئے...... یہ فیصلہ غیر مقلدین ہی کر سکتے ہیں...... عادل کا لفظ جب ضابط کے مقابلہ میں آئے...... اس وقت تو اس کا ثقہ کے ہم معنی ہونا ضروری نہیں...... لیکن جب کسی راوی کے عادل ہونے کا مطلقاً ذکر ہو...... تو اس مراد اس کی ثقاہت ہوتی ہے...... حافظ ذہبیؒ مالک مصری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

قال ابن القطان هو ممن قال لم يثبت عدالته يريدانه مانص احد على انه ثقه (میزان الاعتدال جلد۳ ص۳)

امام یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ اس کا عادل ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اس سے آپ کی مراد یہی ہے کہ کسی نے اسے ثقہ قرار نہیں دیا۔

خلاصہ یہی ہے کہ دارقطنی کے نزدیک ثقہ کا معیار بنیادی طور پر دوسرے محدثین سے مختلف ہے...... ان کے ثقہ کہہ دینے سے ضروری نہیں...... کہ کسی راوی سے مجہول العدالۃ ہونے کا الزام بھی رفع ہو جائے...... نافع بن محمود...... دارقطنی اور ابن حبان کے نزدیک تو صرف اس بناء پر ثقہ ہے کہ اس سے دو معتبر راوی

(مکحول اور حزام بن حکیم) روایت کر رہے ہیں...... لیکن جمہور ائمہ حدیث جن کے نزدیک فقط دو معتبر راویوں کے روایت کرنے سے کسی شخص کا عادل ہونا ثابت نہیں ہو جاتا...... اور اس سے جہالت کا الزام مرتفع نہیں ہوتا...... وہ بدستور مجہول الحال ہی ہے...... کیونکہ اس کے ثقہ اور عادل ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں...... اور نہ اسے کسی ایسے امام حدیث نے ثقہ کہا ہے...... جس کے نزدیک معیار تعدیل محض دو معتبر راویوں کا روایت کرنا ہو یا اس میں جرح کا معروف ہونا نہ ہو۔

دار قطنی کا مذہب تو پہلے بیان ہو چکا...... کہ جو چیز دوسرے ائمہ حدیث کے نزدیک جہالت و ستارت ہے...... وہ دار قطنی کے نزدیک کس طرح ثقاہت و عدالت ہے...... اب ابن حبان کے متعلق بھی سن لیجئے۔

شرح نخبۃ الفکر میں جس جگہ اس مسئلے کا بیان ہے...... کہ کچھ لوگوں نے مجہول الحال اور مستور راوی کی روایت کو بھی قبول کیا ہے...... تو اس پر شرح الشرح میں ہے:

وتبعه ابن حبان اذا العدل عنده من لا يعرف فيه الجرح

(شرح نخبۃ الفکیر ص: 71 دیوبند)

''اور ابن حبان بھی اس اصول کا حامی ہے کیونکہ اس کے نزدیک ثقہ وہ ہے جس پر کوئی جرح نہ ملتی ہو (یہ نہیں کہ اسکی ثقاہت مستقل طور پر ثابت ہو''۔

اس تفصیل سے بفضلہ تعالیٰ واضح ہو گیا...... کہ کسی راوی سے مجہول الحال ہونے کا الزام نہ تو صرف اس لئے اٹھ سکتا ہے...... کہ اس سے دو معتبر راویوں نے روایت کی ہے...... اور نہ اس سے اٹھ سکتا ہے کہ اسے امام دار قطنی اور ابن حبان جیسے محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے...... جن کے نزدیک کئی وہ راوی بھی ثقات میں

داخل ہوجاتے ہیں...... جو دوسرے ائمہ فن کے نزدیک مجہول الحال ہیں...... چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی' دارقطنی اور ابن حبان کی اس برائے نام توثیق کا ذرہ بھر اعتبار نہ کرتے ہوئے...... نافع بن محمود کو مستور اور مجہول الحال ہی قرار دیتے ہیں۔

نافع بن محمود بن الربیع ویقال اسم جده ربیعة الانصاری المدنی نزیل بیت المقدس مستور من الثالثة۔ (تقریب ص۲۴۰)	نافع بن محمود بن ربیع نزیل...... بیت المقدس طبقہ ثالثہ میں سے ہے اور مستور (مجہول الحال) ہے۔

حضرت علامہ ابن الترکمانی" فرماتے ہیں:

نافع بن محمود لم یذکره البخاری فی تاریخه ولا ابن ابی حاتم ولا اخرج له الشیخان وقال ابو عمرو مجهول وقال الطحاوی لایعرف فکیف یصح اویکون سنده حسنا و رجاله ثقات۔

نافع بن محمود کا نہ امام بخاری نے کہیں ذکر کیا ہے...... نہ ابن ابی حاتم نے اور نہ شیخین نے اس سے کوئی روایت لی ہے...... ابو عمر و اسے مجہول الحال قرار دیتے ہیں...... اور امام طحاوی کہتے ہیں وہ مجہول ہے...... پس اس کی سند کیسے صحیح یا حسن ہوسکتی ہے...... اور اس کے رجال کیسے ثقہ شمار ہوسکتے ہیں۔ (الجوہر النقی ج:۱ص:156)

شیخ الاسلام حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

لایعرف بغیر هذا الحدیث ولا هو فی کتاب البخاری و ابن ابی خاتم ذکره ابن حبان فی الثقات وقال حدیثه معلل۔

نافع اس فاتحہ خلف الامام کی روایت کے سوا اور کہیں نہیں پایا گیا..... نہ وہ امام بخاری کی کتاب میں ہے..... اور نہ ابن ابی حاتم کے ہاں مذکور ہے..... ابن حبان نے اسے ثقہ تو کہا ہے..... لیکن اس کی اس حدیث کو اس نے بھی معلول ہی قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال ج:3 ص:227)

شیخ الاسلام موفق الدین بن قدامہ فرماتے ہیں:

نافع بن محمود۔لیس بمعروف۔ نافع بن محمود مجہول الحال ہے۔

(مغنی ابن قدامہ ج:1 ص:606)

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں.....مجھول (تہذیب التہذیب ج:10 ص:410)

مولانا محمد ابراہیم صاحب نے نافع بن محمود کو جہالت سے نکالنے کے لئے یہ اصول بیان کیا ہے کہ ''اصول حدیث کی رو سے مجہول الحال وہ ہے جس کی توثیق کسی امام حدیث نے نہ کی ہو۔'' (مقدمہ تقریب التہذیب ص:3)

تنقیح:

مولانا نے تقریب التہذیب کا حوالہ پیش کرنے میں یہاں بھی حسب سابق عبارت کو کانٹ چھانٹ کر اپنا کمال دکھایا ہے..... اصل عبارت آپ کے سامنے ہے دیکھئے..... کہ فرقہ وارانہ تعصب کی وجہ سے کس طرح حقائق بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے..... حافظ عسقلانی مقدمہ تقریب میں مرتبہ سابعہ کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں:

من روی عنه اکثر من واحد ولم یوثق والیه الاشارة بلفظ مستور او مجهول الحال۔

(مقدمہ تقریب التہذیب ص۳)

جس شخص سے ایک سے زائد راوی روایت کریں۔ لیکن وہ ثقہ نہ قرار دیا گیا ہو۔ تو اس کی طرف ''مستور'' یا مجہول الحال کے الفاظ میں اشارہ کیا جائے گا۔

اس اصول سے بھی یہی حقیقت واضح ہوئی...... کہ محض اس لئے کہ کسی شخص سے دو (معتبر) راوی روایت کر رہے ہیں...... وہ ہرگز ثقہ ثابت نہیں ہوسکتا اور نہ اس طریقے سے اس کی عدالت ثابت کی جاسکتی ہے...... بلکہ وہ بدستور مستور یا مجہول الحال ہی رہتا ہے...... لیکن افسوس کہ مولانا محمد ابراہیم صاحب میر نے مجہول الحال کی تعریف یوں بدل کر پیش کی ہے۔

''اصول حدیث کی رد سے مجہول الحال وہ ہے جس کی توثیق کسی امام حدیث نے نہ کی ہو''۔ (مقدمہ تقریب: ص:3) (گلدستہ سنت ص:10)

مولانا اگر یہ حوالہ پورا نقل کردیتے...... تو نافع بن محمود سے جہالت کا الزام رفع کرنے میں آپ نے آئندہ جس اصول کا سہارا لینا تھا...... اسے ہرگز پیش نہ کرسکتے تھے...... کیونکہ اس سے تعارض لازم آتا تھا...... مقدمہ تقریب کے اس اصول کا ماحصل یہ تھا...... کہ محض دو معتبر راویوں کے روایت کرنے سے مجہول الحال ہونے کا الزام دور نہیں ہوسکتا...... اور مولانا نے اپنی تائید کے لئے دار قطنی کے جس اصول کا سہارا آگے جاکر لینا تھا...... وہ یہ ہے۔

''جس شخص سے دو ثقہ راوی روایت کریں تو اس کا مجہول ہونا دور ہوجاتا ہے اور اس کا عادل ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔'' (گلدستہ سنت ص:11)

اور ظاہر ہے کہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی بالکل معارض ہیں...... اگر مقدمہ کی تقریب والا اصول صحیح ہے...... تو پھر امام دار قطنی والا اصول صحیح نہیں ...... اور اگر یہ صحیح ہے تو پھر مقدمہ تقریب والا اصول غلط ہوگا...... کوئی ہوش مند صاحب علم ان دونوں اصولوں سے بیک وقت استدلال نہیں کرسکتا...... کیونکہ اس سے اجتماع ضدین لازم آتا ہے۔

تعجب ہے مولوی محمد ابراہیم صاحب پر کہ...... آپ نے بیک وقت ان

دونوں متعارض چیزوں کو پیش کیا ہے...... اور نافع بن محمود سے جہالت کا الزام اٹھانے کے لئے...... اپنے استدلال کی بنیاد انہی دو متضاد اصولوں پر رکھی ہے...... ہاں الزام تعارض سے بچنے کیلئے...... آپ نے مقدمہ تقریب کی عبارت بھی بدل دی ہے۔ حمایت مذہبی کے لئے مولانا کے ایسے اقدام نہایت قابل افسوس ہیں۔

ولیست باول قارورة کسرت فی الاسلام

علاوہ ازیں مقدمہ تقریب صفحہ:3 کی مذکور سابقہ عبارت سے یہ بھی واضح ہوگیا...... کہ الزام جہالت صرف اس امام کی توثیق سے رفع ہوسکتا ہے...... جس کے نزدیک مجہول اور مستور ثقات میں معدود نہ ہوتے ہوں...... اور ظاہر ہے کہ نافع بن محمود کو ایسے کسی امام حدیث نے ثقہ قرار نہیں دیا۔

پس مولانا کے اس استدلال میں کہ حزام بن حکیم اور مکحول دو معتبر راویوں نے نافع بن محمود سے روایت کی ہے...... اور دارقطنی اور ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے...... کوئی وزن باقی نہیں رہتا...... اور نہ اس میں کوئی علم کی شان نظر آتی ہے۔

علاوہ ازیں جب دیکھا جاتا ہے...... کہ دارقطنی ایک راوی کو ایک جگہ ثقہ کہتے ہیں...... اور دوسرے مقام پر اسی کو ضعیف کہہ دیتے ہیں...... تو انکا ”کلھم ثقات“ کہنا اور بھی بے حقیقت ہوجاتا ہے۔ ”بغیة الاملعی“ ج۲ ص۸ مطبوعہ مصر میں اس کی کئی مثالیں دی گئی ہیں...... سنن دارقطنی ”باب ماورد فی طھارة المنی“ میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلےٰ کو ثقہ فی حفظہ شئی (جلد 1 ص:46) کہتے ہیں...... اور اسی کو باب ذکر الاقامت ج 1 ص:89 میں ضعیف الحدیث سیئی الحفظ لکھتے ہیں...... پھر ص:243 پر...... عبدالرحمٰن بن ابراہیم کو ثقہ کہتے ہیں...... اور دو سطر بعد اسی کو ضعیف الحدیث کہتے ہیں...... پس وہ اگر نافع بن محمود پر مشتمل سند کو



''کلھم ثقات'' کہدیں تو وہ مجہول الحال ہونے سے نہیں نکل سکتا۔

مولانا کا ایک اور کمال:

مولانا نے نافع بن محمود کے بارے میں ابن حبان کی توثیق میزان الاعتدال سے نقل کرنے کی بجائے...... خلاصہ اسماء الرجال سے اس لئے نقل کی ہے...... کہ اس میں ''حدیثہ معلل'' کی تصریح نہیں...... اور یہ اس لئے کہ ابن حبان کی توثیق بالکل ہی بے وزن قرار نہ پائے...... حالانکہ میزان الاعتدال میں عبارت یوں تھی۔

''ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال حدیثہ معلل'' (میزان ص:227)

ابن حزم کی توثیق اور اس کا جواب:

مولانا محمد ابراہیم صاحب میر نے جو ابن حزم اندلسی کی کتاب المحلی جلد 3 ص:241 سے بڑے زور شور کے ساتھ نافع بن محمود کی ثقاہت نقل کی ہے...... اور اس پر انہیں بڑا ناز ہے۔

جواباً عرض ہے کہ ابن حزم کا علم قابل اعتماد نہیں...... اس میں وسعت کے باوجود پختگی کی شان نہیں...... اور نہ باقاعدہ طور پر اس نے ائمہ فن سے علم حاصل کیا تھا...... جب تک اساتذہ سے باقاعدہ طور پر علم کی معرفت حاصل نہ ہو ...... خود ''ثقاہت فی العلم'' کا درجہ حاصل نہیں ہوتا...... چہ جائیکہ اس کے قول سے کسی دوسرے کی ثقاہت ثابت کی جائے...... ابن حزم کے ہی ہموطن غرناطہ کے جلیل القدر عارف امام علامہ شاطبی اپنی مایہ ناز (کتاب) الموافقات فی اصول الشریعۃ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وحسبك من صحة هذه القاعدة انك لاتجد عالما اشتهر في الناس الاخذ عنه الاوله قدوة اشتهر فی قرنه۔ بمثل ذالك و

قلما وجدت فرقة زائغة ولا احد مخالف للسنة الا هومفارق لهذا الوصف وبهذا الوجه وقع التشنیع علی ابن حزم الظاهری وانه لم یلازم الاخذ عن الشیوخ ولاتأدب بآدابهم۔

''اور اس اصول کے صحیح ہونے پر تجھ سے یہی دلیل کافی ہے کہ تو کوئی ایسا عالم نہ پائیگا...... کہ لوگوں میں اس کے علم پر اعتماد ہو...... مگر یہ کہ کوئی اسکا رہبر استاد ضرور ہوگا...... جو اپنے وقت میں اسی کی طرح مشہور ہوا ہو...... اور بہت کم کوئی ایسا گمراہ فرقہ یا مخالف سنت شخص دیکھا جائے گا...... کہ وہ اس اصول سے ہٹا ہوا نہ ہواور اسی وجہ سے ابن حزم ظاہری کے علم کو معیوب گردانا گیا ہے...... کہ اس نے اساتذہ کو لازم نہیں پکڑا......اور نہ ان کے آداب کی پرواہ کی ہے۔''

(الموافقات علامہ شاطبی الغرناطی المالکی ج:1 ص:15 مطبوعہ مصر)

اسی وجہ سے ہم نے اساتذہ سے یہ سنا ہے...... کہ حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کا قلم دونوں بے لگام چلتے ہیں...... پس اس کا کسی ثقہ کو مجہول قرار دے دینا اور مجہول کو ثقہ کہہ دینا کوئی امر بعید نہیں...... وہ چاہے تو علم حدیث کے مسلم ثقہ امام ترمذیؒ کو جن کی کتاب جامع ترمذی صحاح ستہ میں خاص درجہ رکھتی ہے...... مجہول قرار دے دے اور چاہے تو نافع بن محمود جیسے مجہول الحال راوی کو ثقہ کہہ جائے۔ اس کے کہنے سے کیا بنتا ہے...... خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں...... کہ ابن حزم کہتا ہے۔

محمد بن عیسے بن سورہ (امام) محمد بن عیسیٰ (ترمذی) مجہول مجہول ۔ (تہذیب التہذیب ج:9 ص:388) ہیں۔(وکذالک فی میزان الاعتدال ج:۳ ص ۶۷)

پس ابن حزم پر اعتماد کر کے اگر امام ترمذیؒ جیسے ثقہ امام کو مجہول نہیں مانا جاسکتا..... تو نافع بن محمود جیسے مجہول الحال کو کیسے ثقہ تسلیم کیا جاسکتا ہے..... شیخ الاسلام حافظ ذہبیؒ ''سیر النبلا'' میں ابن حزم کے ترجمے میں لکھتے ہیں..... کہ اسے حدیث سے محبت اور اس کی پہچان تو تھی لیکن:

لااوافقه فی کثیر مما یقول فی الرجال و العلل۔ واقطع بخطائه فی غیر مسئلة ولکن لااکفره ولا اضلله وارجوله العفو۔

''میں راویوں اور علل حدیث میں اس کے بیشتر اقوال سے موافقت نہیں کرتا..... اور اسے کئی مسئلوں میں یقینی طور پر غلطی پر سمجھتا ہوں..... ہاں میں اسے کافر قرار نہیں دیتا..... اور نہ گمراہ کہتا ہوں..... اور امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کردیں گے۔'' (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص:169)

علاوہ ازیں محلی ابن حزم کی اس پیش کردہ عبارت میں داخلی سقم بھی موجود ہے..... ابن حزم کہتے ہیں کہ مکحول نے کبھی یہ روایت محمود سے بصیغہ عن لی ہے..... اور کبھی نافع بن محمود سے اسی طرح لی ہے..... اور اس سے کوئی وھن پیدا نہیں ہوتا..... افسوس کہ ابن حزم نے یہ نہ سوچا کہ مکحول جو مدلس تھے..... (میزان الاعتدال جلد۳ ص۱۹۸) ان کا سماع محمود بن ربیع سے کہیں مذکور نہیں..... مولانا محمد ابراہیم صاحب میر کو اگر ابن حزم پر پورا اعتماد ہے..... مکحول کا سماع محمود بن الربیع سے ثابت کریں ورنہ تسلیم کرلیں کہ ''وھن'' پیدا ہو رہا ہے۔

ناظرین کرام! ان حقائق سے یہ تفصیلاً واضح ہوا..... کہ عبادہؓ بن صامت کی جو حدیث مولانا محمد ابراہیم صاحب نے سنن دار قطنی اور ابوداؤد کے حوالہ سے پیش کی تھی..... ضعیف اور معلل ہے..... اور اس کا راوی نافع بن محمود بدستور مجہول الحال ہے..... نیز اس کی جہالت رفع کرنے میں مولانا نے جن بے بنیاد توجیہات

کا سہارا لیا ہے...... ان میں کوئی وزن نہیں ہے...... اس کے باوجود اگر مولانا...... غیر مقلدین کو مغالطہ میں رکھیں...... تو یہ امر نہایت قابل افسوس ہے...... اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس امر کا ہرگز مکلف نہیں کیا...... کہ اپنا دین مجہول اور غیر معروف راویوں سے اخذ کیا کریں۔

اب اس کے بعد ہم حضرت عبادہؓ بن صامت کی حدیث کے اس طریق کو لیتے ہیں...... جس میں محمد بن اسحاق راوی پایا جاتا ہے...... احقر نے اپنی دوسری تقریر میں محمد بن اسحاق پر تین جرحیں کی تھیں:

۱)...... اکثر محدثین اسے جھوٹا اور کذاب کہتے ہیں۔

۲)...... اس کے حافظہ میں وسعت کے باوجود پختگی نہ تھی۔

۳)...... وہ کثیر التدلیس مدلس تھا۔

مولوی محمد ابراہیم صاحب اس کے کذاب ہونے کی اہم جرح کو نذر نسیان کرتے ہوئے...... تیسری جرح یعنی تدلیس کے الزام کو رفع کرنے کی کوشش میں لکھتے ہیں:

(مولانا فخر الحسن گنگوہی نے) امام المغازی محمد بن اسحاق کی تدلیس اور صیغہ عن سے روایت پر اعتراض کر کے آخر میں کہا ہے:

ان لا یقبل منه الا ماصرح فیه بالتحدیث.
(حاشیہ سنن ابن ماجہ ص ۶۱)

مدلس کی روایت جو صیغہ عن سے ہو قبول نہیں مگر اس صورت میں کہ صیغہ تحدیث کی تصریح کرے وہ قبول ہے۔

سو ہم نے خدا کے فضل سے حدیث دارقطنی سے دکھا دیا کہ محمد بن اسحاق کی روایت امام مکحول سے بصیغہ حدثنی بھی ہے پس مولانا فخر الحسنؒ اور ان کے پیرو

مولوی خالد محمود صاحب اپنے اعتراض کو واپس لے کر اپنی جھولی میں ڈال لیں۔

(گلدستہ سنت ص:9)

جواب الجواب:

مولوی محمد ابراہیم صاحب نے اس بحث میں تین بڑی اہم غلطیاں کی ہیں:

۱) حاشیہ سنن ابن ماجہ سے جو فقرہ نقل کیا ہے۔ اس کا پہلا حصہ عمداً چھوڑ دیا ہے تا کہ مغالطہ دینے میں کامیاب ہو سکیں۔

۲) مولوی صاحب اصل مسئلے کو نہیں سمجھ سکے کہ مدلس سے صیغہ تحدیث ثابت ہونے پر تدلیس کا داغ کس صورت میں دور ہوتا ہے۔

۳) مولوی صاحب یہ نہیں سمجھ سکے کہ یہ عبارت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی کی اپنی نہیں وہ اسے کسی دوسری کتاب سے پیش کر رہے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے اصل کتاب دیکھ کر یہ بحث نہیں لکھی...... بلکہ ان رسالجات سے نقل کی ہے...... جو علم و دیانت سے دور ہٹ کر امت کو سلف صالحین سے بدگمان کرنے کے مقصد سے لکھے گئے ہیں...... اور صیغۂ تحدیث کا یہ ثبوت بھی ان کی اپنی قابلیت کا نتیجہ نہیں...... بلکہ یہ بات انہوں نے مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری کے رسالہ تحقیق الکلام جلد 1 ص:۵۸ سے لی ہے...... مولوی محمد ابراہیم صاحب کو اگر علم حدیث میں کچھ دسترس ہے...... تو محمد ابن اسحاق کے شیخ حدیث مکحول کا اس کے استاد محمود بن ربیع سے سماع یا صیغہ تحدیث ثابت کریں۔

اب ہم پہلے حاشیہ سنن ابن ماجہ سے وہ پورا فقرہ نقل کرتے ہیں...... جس کا پہلا حصہ مولانا نے چھوڑ دیا ہے:

حکم من ثبت عندالتدلیس اذا	مدلس کی روایت کا حکم یہ ہے کہ
کان عدلاً ان لایقبل منه الاما	جب وہ ثقہ ہو تو اس کی وہ
صرح فیه بالتحدیث۔	روایت جو صیغہ تحدیث سے ہو
(حاشیہ سنن ابن ماجہ ص ۶۱)	قبول کرلی جائے اسکے سوا نہیں۔

اس عبارت میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے...... کہ وہی مدلس راوی صیغہ تحدیث سے قابل قبول ہوسکتا ہے...... جو خود ثقہ ہو...... نہ یہ کہ وہ مدلسین بھی صیغہ تحدیث سے قابل قبول ہو جاتے ہیں...... جن پر ضعیف اور کذاب ہونے کے سنگین الزامات کتب رجال میں موجود ہوں۔

چونکہ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ اس عبارت سے پہلے علامہ عینیؒ کی نقل اور امام مالک اور امام احمد کے حوالے سے محمد بن اسحاق پر کذاب اور ضعیف ہونے کی جرح کر چکے ہیں...... اس لئے اگر اب وہ باوجود صیغہ تحدیث کے محمد بن اسحاق کی تدلیس کو موجب اعتراض ٹھہراتے...... تو اس میں کیا گناہ ہے...... کیونکہ صیغہ تحدیث سے صرف اسی مدلس راوی کی روایت قابل قبول ہوتی ہے جو خود ثقہ ہو۔

چنانچہ حضرت امام احمدؒ نے جب محمد اسحاق پر مدلس ہونے کی جرح کی ہے...... تو کسی نے کہا کہ جب وہ صیغہ تحدیث سے روایت کرے اور "اخبرنی" اور "حدثنی" کہے...... تو اس وقت تو قابل اعتبار ہوگا...... حضرت امام احمدؒ نے اس بناء پر بھی محمد بن اسحاق کا معتبر ہو جانا قبول نہ فرمایا...... بلکہ فرمایا کہ وہ صیغہ تحدیث سے بھی روایت کرے...... تو اس کی مخالفت ہے...... یعنی دوسرے راوی اس کے موافق نہیں ہوتے...... بلکہ مخالف ہوتے ہیں...... حافظ ذھبیؒ فرماتے ہیں:

قال احمد هو کثیر التدلیس جداً فقیل له فاذا قال اخبرنی و حدثنی فهو ثقة قال هو یقول اخبرنی ویخالف۔

''امام احمد نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق بہت زیادہ تدلیس سے کام لیتا ہے...... کسی نے کہا کہ جب وہ حدثنی اور اخبرنی کہے تو پھر تو معتبر ہوگا...... آپ نے جواباً فرمایا کہ وہ صیغہ تحدیث سے بھی روایت کرے...... تو اس کی مخالفت ہے۔'' (میزان الاعتدال ج:3 ص:22 مصر)

جب حضرت امام احمدؒ محمد بن اسحاق پر مدلس ہونے کی جرح کو باوجود...... صیغہ تحدیث کے بحال رکھتے ہیں...... تو مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ اور مجھ عاجز کی کیا بساط ہے...... کہ دار قطنی اور بیہقی میں فقط صیغہ تحدیث دیکھ کر مولوی محمد ابراہیم صاحب میر کی طرح محمد بن اسحاق کو معتبر سمجھنا شروع کر دیں۔

خلاصہ بحث یہی ہے...... کہ مدلس کی روایت صیغہ تحدیث کے ساتھ صرف اسی صورت میں قابل قبول ہوگی...... جب کہ وہ خود ثقہ ہو اور شذوذ و نکارت کا شکار نہ ہو۔ چنانچہ حاشیہ سنن ابن ماجہ ص: 61 پر عبارت زیر بحث میں ''اذا کان عدلاً'' کی شرط صاف موجود ہے...... کہ صیغہ تحدیث سے تدلیس کی جرح صرف اسی صورت میں اٹھے گی...... کہ راوی خود ثقہ اور عادل ہو۔

افسوس کہ مولانا محمد ابراہیم صاحب نے ''اذا کان عدلاً'' کی شرط کو ہی اڑا دیا...... اور اس حصے کو عمداً حذف کر کے باقی آدھا فقرہ نقل کر دیا...... کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ محمد بن اسحاق کا اس شرط پر پورا نہ اتر سکنا...... ان کے استدلال کو باطل کر دے گا۔

مولانا خدا تعالیٰ سے ڈریئے! اور اپنے نئے قائم ہوتے فرقے کی حمایت میں عبارتوں کی قطع و برید سے توبہ کیجئے۔

یاد رکھیئے! کہ آپ محمد بن اسحاق سے تدلیس کا یہ داغ آپ ساری عمر تک دور نہیں کر سکتے...... وَلَوْ كَانَ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا......

مولوی محمد ابراہیم صاحب میر نے تیسری غلطی یہ کی کہ اس عبارت کو مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ کی عبارت سمجھ لیا...... حالانکہ یہ شرح نخبۃ الفکر کی عبارت تھی۔ جو حدیث کے طالب علموں کو بھی نوک زبان ہوتی ہے...... افسوس کہ مولانا یہ بھی نہ سمجھ سکے...... حالانکہ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی نے اس نقل پر اجمالی حوالہ بھی پیش کر دیا تھا...... مولانا کو اگر شک ہو تو...... شرح نخبۃ الفکر ص:53 پر وہ عبارت بعینہا ملاحظہ فرمالیں۔

حدیث فاتحہ خلف الامام کے راوی محمد بن اسحاق کی حقیقت:

احادیث اور روایات عموماً دو قسم کی ہیں...... ایک وہ جن میں احکام اور حلال وحرام کا بیان ہوتا ہے...... اور دوسری وہ جن میں قصص اور مغازی وغیرھا کا سلسلہ چلتا ہے...... پہلی قسم کی احادیث میں محدثین نے بہت زیادہ احتیاط وتحقیق کو پیش نظر رکھا ہے...... کیونکہ یہی وہ احادیث ہیں جن سے دین ثابت ہوتا ہے...... لیکن دوسری قسم کی روایات میں معیار تنقید اتنا سخت نہیں...... اور بعض وہ راوی بھی معتبر مان لئے گئے جو پہلی قسم کی احادیث کیلئے ناقابل اعتبار سمجھے جاتے تھے...... کیونکہ اس باب میں دین میں زیادتی اور کمی ہو جانے کا چنداں احتمال نہ تھا۔

ان دوسرے قسم کے راویوں سے احکام دین اور حلال وحرام کے بیان میں احتجاج نہیں ہوسکتا...... ہاں اگر کوئی مسئلہ بجائے...... خود نہایت محتاط اور معیاری ثقہ راویوں سے ثابت ہو تو اس کی تائید میں ان دوسرے قسم کے راویوں سے استشہاد کیا جاسکتا ہے...... یا اگر صرف مستحب اور غیر مستحب کی بحث ہو...... اور کسی بنیادی مسئلے یا حلال وحرام کا بیان نہ ہو تو اس میں بھی معیار قبولیت رواۃ اتنا سخت نہیں...... ہاں حلال وحرام کے مسائل میں بہت زیادہ احتیاط وتحقیق اور کڑی تنقید درکار ہے۔ بعد اس مختصر تمہید کے احقر اپنے ناظرین کی خدمت میں عرض پر

داز ہے کہ محمد بن اسحاق بھی انہی راویوں میں سے ہے...... جن پر پہلی قسم کی روایات میں اعتماد نہیں کیا گیا...... قصص ومغازی میں تو اس کی روایات قبول کی گئی ہیں...... اوران مسائل میں بھی جو بجائے خود ثابت ہوں...... اس سے استشہاد کیا گیا ہے...... مستحب اور غیر مستحب کی بحث میں بھی اس کا کچھ اعتبار ہے...... رکن ضروریات دین سنن واحکام اور حلال وحرام کے بیان میں اس سے احتجاج قطعاً درست نہیں...... سیدنا حضرت امام احمدؒ کے بارے میں منقول ہے کہ

لم یکن یحتج به فی السنن .	سنن اور احکام کی احادیث میں اسے معتبر نہیں سمجھتے تھے۔
(تہذیب التہذیب ج:9 ص:44)	

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

ابن اسحٰق لایحتج بما ینفرد به من الاحکام۔(الدرایہ ص:93 دہلی)	جو روایات صرف محمد بن اسحاق کی ہوں اور ہوں احکام دین کے متعلق انکا اعتبار نہ کیا جائے۔

شیخ الاسلام حافظ ذہبیؒ نے جنہیں نقد رجال میں استقراء تام حاصل ہے۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۱۱۱) محمد بن اسحاق کے متعلق امام مالک امام نسائی...... اور دار قطنی وغیرہ کی جرح اور شعبہ اور ابن عینیہ کی تعدیل نقل کرنے کے بعد...... اپنا آخری فیصلہ یہ لکھا ہے:

والذی تقرر علیه العمل ان ابن اسحاق الیه المرجع فی المغازی والایام النبویة مع انه یشذ باشیاء وانه لیس بحجة فی الحلال و الحرام (نعم) ولا بالواهی بل بستشهد۔

''جس فیصلے پر محدثین کا عمل طے ہو چکا ہے...... وہ یہ ہے کہ مغازی اور آنحضرت کی جنگوں میں تو محمد بن اسحاق کی طرف رجوع کرلیا جائے

اگرچہ یہاں بھی وہ شاذ روایات لے آتا ہے...... لیکن حلال وحرام کے بنیادی مسائل میں اسے حجت نہ مانا جائے...... ہاں بالکل گرا ہوا بھی نہیں...... بلکہ استشہاداً اس کی روایت لی جاسکتی ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج:1 ص:164)

پس واضح ہوگیا کہ فرائض وقطعیات اور دین کے بنیادی احکام میں محمد بن اسحاق کی روایت نہیں لی جاسکتی...... اور نہ وہ اس قابل ہے...... کہ اس سے احتجاج کیا جائے...... امام نوویؒ فرماتے ہیں:

جماعة ليسوا من شرط الصحيح منهم مطر الوراق و بقية بن الوليد و محمد بن اسحاق......الخ

''جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں انہی میں مطر الوراق بقیہ بن ولید اور محمد بن اسحاق شامل ہیں۔'' (مقدمہ نووی شرح مسلم ص:16)

حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں۔

''فالحط حديثه عن رتبة الصحة''

''محمد بن اسحاق کی حدیث درجہ صحت سے گری ہوئی ہے۔''

(تذکرہ ج:1 ص:163)

ہاں اگر متابعت، تائید، استشہاد اور مستحب غیر مستحب کی بحثوں میں ایسے راویوں کی روایات قبول کر لی جائیں...... جیسا کہ بعض مقامات پر علماء نے محمد بن اسحاق کی روایات کو بھی قبول کیا ہے...... تو اس میں احقر کے نزدیک کوئی حرج نہیں...... ظلم تو یہ ہے کہ فرائض وقطعیات اور حلال وحرام کی بحثوں میں محمد بن اسحاق سے حجت پکڑی جائے...... اور ان ابواب میں اس کی روایت قبول نہ کرنے پر مبطل عمل، مفسد نماز، تارک فرائض دین اور بے نماز ہونے کے سنگین الزامات

احناف پر لگائے جائیں اور مباھلے کے چیلنج تک دے دیئے جائیں۔

"یاقَوْمِ اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ"

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوگئی...... کہ بعض مدعیان علم کا یہ کہنا کہ علمائے حنفیہ نے جب بعض مقامات پر محمد بن اسحاق کی روایات کو بلا جرح تسلیم کرلیا ہے......تو ایجاب فاتحہ خلف الامام کے لئے محمد بن اسحاق کی روایت پر کیوں جرح کرتے ہیں......فن حدیث، طبقات رواۃ اور علل رجال سے ناواقفی پر مبنی ہے...... محمد بن اسحاق کی چند دوسری روایات اگر بعض ابواب میں قبول بھی کرلی جائیں...... تو فاتحہ خلف الامام کی روایت از روئے اصول پھر بھی قبول نہیں کی جاسکتی۔

فاتحہ خلف الامام کے راوی محمد بن اسحاق پر دوسری بحث:

ناظرین کرام، محمد بن اسحاق کی فاتحہ خلف الامام والی روایت کا سلسلہ اسناد یہ ہے:

عن محمد بن اسحاق عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت (دارقطنی)

اور جس میں خلف الامام کی کوئی صراحت نہیں فقط "لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" وغیرہ کے الفاظ ہیں اس کا سلسلہ اسناد یوں ہے:

عن الزھری عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت۔ (بخاری)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عبادہؓ بن صامت سے یہ حدیث محمود بن ربیع انصاری کے پاس پہنچی...... جب ان سے امام زہری روایت کرتے ہیں......تو اس میں خلف الامام......یعنی مقتدی کے لئے سورت فاتحہ پڑھنے کی کوئی تصریح نہیں (امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی اپنی صحیح میں اسے ہی قبول کیا ہے) اور جب انہی محمود بن ربیع سے امام مکحول نے روایت کی......تو اس میں خلف الامام وغیرہ کی

تصریح موجود ملتی ہے...... (یہ روایت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی اپنی صحیح میں نہیں لی)۔

اب سوال یہ ہے کہ خلف الامام کی یہ زیادتی محمود بن ربیع نے مکحول کے سامنے روایت کی یا یہ حصہ روایت مکحول کو کسی اور طریق سے پہنچا...... اس تحقیق کا مدار مکحول کے شاگردوں پر ہے کہ وہ مکحول سے اس زیادتی کو کس طرح روایت کرتے ہیں...... سو جاننا چاہیے کہ مکحول کے چھ شاگرد اس سے اس زیادتی کو روایت کرتے ہیں۔

۱)...... عبدالرحمٰن بن یزید بن جابرؒ۔

۲)...... سعید بن عبدالعزیز۔

۳)...... عبداللہ بن العلاء۔

۴)...... محمد بن الولید الزبیدی۔

۵)...... زید بن واقد شامی۔

٦)...... محمد بن اسحاق پہلے تین شاگرد ابو داؤد نے ذکر کئے ہیں۔

سنن ابی داؤد جلدا :ص:119 آخر سطر اور چوتھا شاگرد زبیدی امام دار قطنی نے ذکر کیا ہے۔ (سنن دار قطنی ص:121 سطر 14)

یہ چاروں شاگرد امام مکحول سے یوں روایت کرتے ہیں:

عن مکحول عن عبادة بن الصامت قال سالنا رسول اللهﷺ (الحدیث)

یعنی مکحول اور عبادہ کے مابین کوئی واسطہ ذکر نہیں کرتے...... پس سند مرسل ہوئی...... کیونکہ مکحول کو عبادہؓ بن صامت سے نہ روایت ہے...... نہ سماعت ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

یرسل کثیراً ویدلس عن ابی بن کعب وعبادة بن صامت و	مکحول بیشتر روایات مرسل بیان کرتے تھے اور ابی بن کعب، عبادة

عائشہ(تذکرۃ الحفاظ ج:1 ص:101) بن صامت اور حضرت عائشہ سے روایت کرنے میں مدلس تھے۔

پانچواں شاگرد مکحول کا زید بن واقد شامی ہے..... اس نے مکحول سے یوں روایت کی۔

عن مکحول عن نافع بن محمود عن عبادة بن الصامامت

(دار قطنی ج:1 ص:121)

چھٹا شاگرد مکحول کا محمد بن اسحاق ہے..... جس نے مکحول کے پانچوں شاگردوں کی مخالفت کرتے ہوئے..... اپنے استاد کا سلسلہ اسناد یوں پیش کیا۔

عن محمد بن اسحاق عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادة بن صامت ۔(دار قطنی ص:121)

"پس محمد بن اسحاق کی روایت شاذ یا منکر ہوئی کیونکہ قاعدہ ہے کہ محمد بن اسحاق متفرد ہو یا جب کسی ثقہ کی مخالفت کرے.....تو اس کی وہ روایت حجت نہیں ہوتی۔" (ہدایہ ص:193 دہلی)

اور یہاں وہ اپنے استاد کا سلسلہ اسناد پیش کرنے میں متفرد بھی ہے..... اور پانچ راویوں کی مخالفت بھی کرتا ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

وما انفرد به فیه نکارة فان فی حفظه شیئاً۔ محمد بن اسحاق جب منفرد ہو تو اسکی روایت منکر ہوتی ہے کیونکہ اس کے حافظہ میں فرق تھا۔ (میزان الاعتدال ۳ ص ۲۴)

پس معلوم ہوا کہ اصل سند یا تو اس کی "مکحول عن عبادہ ہے" اور یا "مکحول عن نافع عن عبادہ" اور دونوں ارسال یا ستارت کی جرح سے داغدار ہیں..... تیسری سند "مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ" جس میں محمد بن اسحاق منفرد بھی

ہے...... اور پانچ راویوں کی مخالفت بھی کرتا ہے...... شذوذ اور نکارت سے خالی نہیں اور ظاہر ہے کہ صحت حدیث کے واسطے جس طرح راوی کا ثقہ ہونا شرط ہے...... اس طرح شذوذ یا نکارت سے سلامتی بھی شرط ہے...... ''کما لا یخفی علی طلبة الحدیث '' پس اگر محمد بن اسحاق ثقہ بھی ہوتا...... تو اس کی دوسری روایات تو قابل قبول تھیں...... لیکن فاتحہ خلف الامام کی روایت کسی صورت میں بھی قابل قبول نہیں کہی جا سکتی۔

چنانچہ بعض علماء نے محمد بن اسحاق کی روایت کو دوسرے ابواب میں قبول بھی کیا ہے اور فاتحہ خلف الامام کے باب میں محمد بن اسحاق پر پوری جرح بھی نقل کی ہے۔

فاتحہ خلف الامام کے راوی محمد بن اسحاق پر تیسری بحث:

ناظرین کرام! محمد بن اسحاق کے متعلق غیر جانبدارانہ تحقیقی اور تفصیلی حقائق آپ کے سامنے ہیں...... مگر چونکہ فریق مخالف کے مدعیان علم ان سب کو نذر نسیان کر کے محمد بن اسحاق کو محض فرقہ وارانہ حمایت کیلئے اسی طرح پیش کرتے ہیں...... گویا کہ ''اصح الاسانید فی الدنیا '' اسی پر مشتمل ہے...... اور محمد بن اسحاق اجماعی ثقہ امام ہے...... اس لئے ہم آپ کو ان جرحوں سے بھی روشناس کرانا چاہتے ہیں...... جو اکابر ائمہ فن محتاط اور عارف...... باسباب الجرح ...... محدثین نے محمد بن اسحاق پر کی ہیں۔

ایوب بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے (امام بخاری اور امام مسلم کے استاد حدیث) حضرت امام احمد سے پوچھا۔

اذا انفرد ابن اسحاق بحدیث جب محمد بن اسحٰق کسی حدیث کو تقبلہ انفرادی طور پر بیان کرے تو آپ اسے قبول فرمائیں گے۔

آپ نے فرمایا! لاوالـلـه انی رأیتـه یـحـدث عـن جمـاعة بـالـحدیث الواحد و لایفصل کلام ذامن کلام ذا	نہیں خدا کی قسم میں نے اسے دیکھا ہے کہ وہ ایک جماعت سے ایک حدیث روایت کرتا ہے...... اور ایک کے کلام اور دوسرے کے کلام سے ملا کر بیان کر جاتا ہے۔
(تہذیب ج:9 ص:43)	
قـال ابن عینیة رایت ابن اسحٰق فی مسـجـد الـحنیف فاستحیت ان یرانی مـعـه احد اتهموه بالقدر و	سفیان کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسحٰق کو مسجد الحنیف میں دیکھا مجھے شرم آئی کہ کوئی مجھے اسکے ساتھ نہ دیکھ لے۔وہ قدری ہونے سے متہم تھا۔
روی ابـو داؤد عن حماد بن سلمة قـال فمارویت عن ابن اسحاق الا بالاضطرار	حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے نہیں کوئی روایت لی محمد بن اسحاق سے مگر مجبوراً
(میزان الاعتدال ص:21 ج:2)	
قـال سلیمان التیمی "کذاب" وقـال وهـیـب سـمعت هشام بـن عروه یـقـول کذاب وقال و هیب سالت مانکا عن ابن اسحاق فاتهمه۔	سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کذاب تھا امام ہشام بن عروہ فرماتے ہیں۔محمد بن اسحاق کذاب تھا اور امام مالک بھی اسے متہم گردانتے تھے۔(میزان الاعتدال ج:3 ص:21)

امام مالک نے فرمایا:

دجال من الدجاجله	محمد بن اسحاق دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔
(میزان:2 ص:21۔تہذیب:9 ص:4)	

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں۔

اشھد ان محمد بن اسحاق کذاب۔ (میزان الاعتدال جلد۳' ص۲۲) میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد بن اسحاق کذاب تھا۔

ناظرین کرام شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں:

مراتب الجرح اسوأھا الوصف بافعل کاکذب الناس ثم دجال او وضاع او کذاب۔ (شرح نخبۃ الفکر ص۱۰۸ دیوبند) جرح کے کئی درجے ہیں سب سے برا "اکذب الناس" وغیرہ کے الفاظ ہیں پھر دجال وضاع یا کذاب کی جرحیں ہیں۔

کذاب تو صیغہ مبالغہ تھا ہی امام یحییٰ بن سعید نے لفظ اشہد سے اسے اور دگنا کر دیا..... مولانا محمد ابراہیم صاحب! فرقہ دارانہ تعصب سے یکطرف ہو کر سوچئے کہ یہ تمام ائمہ علام کیا..... کسی فرضی وہم کی وجہ سے اسقدر شدید جرح کے مرتکب ہو سکتے تھے..... کیا یہ حضرات اتنے ہی غیر محتاط تھے..... کہ جرح کے سنگین ترین الفاظ بے محل ہی استعمال کر جاتے تھے..... مولانا خدا سے ڈریئے اور ایسے ضعیف اور مجروح راویوں کی روایت سے دنیائے اسلام کے نوے فیصد مسلمانوں کو جو امام کے پیچھے خود سورت فاتحہ نہیں پڑھتے بے نماز قرار دینے سے توبہ کیجئے۔

دعویٰ بلا دلیل:

"امام مالکؒ نے اپنے ان الفاظ سے رجوع کر لیا تھا" یہ ایک دعویٰ ہی دعویٰ ہے..... جس پر نہ ابن حبان کے پاس کوئی دلیل ہے..... اور نہ ابن ہمام نے اس پر کوئی نقل پیش کی..... اور ظاہر ہے کہ انہوں نے امام مالکؒ کا دور نہیں پایا..... امام مالکؒ کے اصحاب اور تلامذہ میں سے کوئی اس رجوع کو روایت نہیں کرتا..... بلکہ وہ حضرات امام مالک کی زندگی میں بھی اور بعد از اں بھی محمد بن اسحاق کو شدید

طور پر ضعیف ہی قرار دیتے رہے...... اگر امام مالکؒ سے متاثر ہو کر وہ محمد بن اسحاق کے بارے میں جرح کے یہ سنگین الفاظ استعمال کرتے تھے......تو وہ اپنے الزامات کو تو واپس لے سکتے تھے...... امام مالکؒ کے الفاظ واپس لینے کا انہیں کوئی حق نہ تھا...... حالانکہ ان حضرات کے بارے میں دلیل تو کجا کوئی محض یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا...... کہ انہوں نے اپنی جرح سے رجوع کرلیا تھا۔

نیز امام مالکؒ کا رجوع کرنا......اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہی ہوسکتا ہے...... کہ انہوں نے جرح کی اس شدت سے رجوع کرلیا ہو اور محمد بن اسحاق کو دجال اور کذاب کے درجہ سے نکال کر ضعیف اور ''لیس بشئی'' کے درجہ میں لے آئے ہوں...... فقط رجوع سے یہ کیسے لازم آیا کہ امام مالکؒ اس کی ثقاہت کے قائل ہو گئے تھے...... پس اگر ایسا نہیں ہوا اور نہ امام مالکؒ نے اس کی کوئی روایت قبول کی ہے......تو اس رجوع کو تسلیم کر لینے پر بھی امام مالک کی جرح باقی رہتی ہے...... یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک طرف تو وہ اسے دجال اور کذاب قرار دیں اور پھر ایک ہی دفعہ ایسی تبدیلی ہو کہ اسے ثقہ اور قابل اعتماد سمجھنے لگیں...... یہ ایسے محتاط حضرات سے عقلاً بھی ناممکن ہے۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب کی تسلی خاطر:

چونکہ حضرت مولانا کو مسئلہ زیر بحث میں امام دارقطنی پر خاص اعتماد ہے......اور احادیث کی علتوں کے جاننے میں وہ ان کے درجہ اوّل کے ماہر ہونے کے معترف ہیں...... (گلدستہ سنت ص:7)

اس لئے محمد بن اسحاق کے بارے میں امام دارقطنی کا ہی فیصلہ پیش کرتے ہیں:

قال النسائی وغیرہ لیس بالقوی و قال الدار قطنی لایحتج بہ۔
(میزان الاعتدال ج:3 ص:21)

امام نسائی اور دوسرے امام بھی کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق راوی نہیں اور امام دارقطنی کا فیصلہ ہے کہ محمد بن اسحاق سے احتجاج نہ کیا جائے۔

اب بھی مولانا اگر نہ مانیں تو یہ ان کی مرضی...... وما علینا الا البلاغ

مولانا محمد ابراہیم صاحب کے نزدیک قبول روایت کا معیار:

مولانا گلدستہ سنت ص:5 کے حاشیہ پر رقم طراز ہیں:

''مولوی خالد محمود صاحب نے اپنے کالج کے ایک طالب علم سے ذکر کیا کہ مولوی سلطان محمود صاحب کے اشتہار دینے سے ان کی واہ واہ تو ہوگئی تھی لیکن ان کی تقریر نے ہمارے وقار کو ملیا میٹ کر دیا''۔

احقر جواباً عرض کرتا ہے کہ یہ روایت موضوع اور بالکل جھوٹ ہے...... اور شاید محمد بن اسحاق کے ہی کسی پیرو کی اختراع ہو نہایت افسوس ہے...... کہ مولانا ہر کس و ناکس کی روایت کو بلا تحقیق قبول کرنے کے عادی ہو چکے ہیں...... مولانا سلطان محمود صاحب سے اگر کسی حدیث کی عبارت پڑھنے میں لغزش لسانی یا جوش تقریر سے لحن واقع بھی ہو گیا...... تو اس میں کیا حرج ہے...... ہم نے مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم کو بارہا اس کا مرتکب ہوتے سنا ہے...... مولانا محمد ابراہیم صاحب میر کی تسلی خاطر کیلئے ہم محدثین کی چند تصریحات پیش کرتے ہیں:

زیاد بن خثیمہ کے پاس آنحضرت کی ایک حدیث کسی راوی کے لحن سے ان الفاظ میں پہنچی کہ ''شفاعت'' ''للمتلوثین الخطاؤن'' گناہگار خطاروں کے لئے ہوگی...... تو زیاد نے اسے انہی الفاظ کے ساتھ



روایت کیا حالانکہ صحیح ''الخطائین'' تھا۔

حضرت امام نسائی فرماتے ہیں:

لایعاب اللحن علی المحدثین محدثین کے لحن کو (قبول روایت میں) عیب نہ سمجھا جائے۔

میمون بن مہران کہتے ہیں:

سالت احمد بن حنبل عن اللحن فی الحدیث قال لاباس۔ (کتاب الکفایہ فی علم الروایہ ص:187)

میں نے امام احمدؒ سے حدیث پڑھنے میں لحن واقع ہو جانے کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا! اس میں کوئی حرج نہیں۔

پس معلوم ہوا کہ مولانا سلطان محمود پر اعتراض محدثین کے مذہب سے ناواقفی پر مبنی ہے...... نیز مولانا سلطان محمود صاحب نے جب رک کر ٹوکنے والے مولوی صاحب کو اعتراض کے لئے موقع دیا تھا...... تو اس وقت ٹوکنے والے غیر مقلد مولوی صاحب کہاں گم ہو گئے تھے...... غالباً نشہ اتر چکا ہوگا۔

محمد بن اسحاق کی توثیق میں غیر مقلدین کے بے بنیاد سہارے:

نمبرا: امام شعبہ اسے امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں۔

نمبر۲: ابن ہمامؒ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے...... اور امام مالکؒ کا اپنی جرح سے رجوع کرنا لکھا ہے۔

جواب: (ا) محدثین کا نوے فیصدی طبقہ جب محمد بن اسحاق پر جرح کے انتہائی سنگین الزام عائد کرتا ہے...... تو ان سب کے مقابلہ میں امام شعبہ کا قول کیسے معتبر ہوسکتا ہے...... تعجب ہے کہ غیر مقلدین یہاں تو امام شعبہ کا قول

معتبر سمجھتے ہیں۔اور جب امام شعبہ جابر جعفی (جو حدیث "من کان لہ امام فقراۃ الامام قراۃ" کی ابن ماجہ ص:61 کی روایت کا راوی ہے) کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔(میزان ج:1نمبر 176)

اس وقت انہی امام شعبہ کا فیصلہ غیر معتبر ہو جاتا ہے۔

(ب) امام شعبہ نے محمد بن اسحاق کو ثقہ ہونے کے لحاظ سے ایسا نہیں کہا بلکہ صرف حافظہ کے لحاظ سے کہا ہے اور ظاہر ہے کہ حافظہ کذاب اور دجال قسم کے راویوں کا بھی اچھا ہو سکتا ہے۔امام شعبہ نے فرمایا۔

ابن اسحٰق امیر المومنین لحفظه	محمد بن اسحاق صرف حافظے سے
(تہذیب ج:9ص:42ص:44)	امیر المومنین ہے۔

ثقہ ہونے کے لئے ضابطہ ہونے کے ساتھ عادل ہونا بھی ضروری ہے۔ محض حفظ و ضبط میں امیر المومنین ہونے سے (ثقہ ہونے کے بغیر) ثقایت میں امیر المومنین ہونا ثابت نہیں ہو جاتا۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ محمد بن اسحاق حفظ میں امیر المومنین کس طرح تھے آیا پختگی حافظہ کے لحاظ سے یا وسعت حافظہ کے لحاظ سے حافظ ذھبیؒ لکھتے ہیں:

وما انفرد به ففيه نكارة فان في حفظه شيئا۔	محمد بن اسحاق جب اکیلا ہو تو اس کی روایت منکر ہوتی ہے کیونکہ اس کے حافظے میں فرق تھا۔
(میزان الاعتدال ج:3ص:24)	

پس واضح ہوا کہ محمد بن اسحاق پر شعبہ کے یہ ریمارک صرف حافظے کے لحاظ سے ہیں......اور وہ بھی وسعت حافظہ کے لحاظ سے نہ کہ پختگی حافظے کے اعتبار

سے اور تحقیق کی روشنی میں غیر مقلدین کا یہ سہارا بالکل بے بنیاد نظر آتا ہے...... کہ محمد بن اسحاق ثقہ راوی ہیں۔

۲۔علامہ ابن ہمامؒ اور محمد بن اسحاق:

ابن ہمام کے نزدیک امام مالک کا اپنی جرح سے رجوع کرنا یقینی نہیں بلکہ ظنی ہے کیونکہ ''رجوع از جرح'' کی صحت ''ثبوت جرح'' کی صحت پر مبنی ہے۔ اور ابن ہمام کو خود اسی میں کلام ہے...... امام مالکؒ کی زیر بحث جرح صحیح طریق سے انہیں نہیں پہنچی تھی...... پس ان کے نزدیک اس سے رجوع بھی یقینی نہیں کہا جاسکتا...... جو چیز خود ابن ہمام کے نزدیک ظنی ہے اسے ابن ہمام کا قطعی فیصلہ قرار دینا کسی صاحب علم کا کام نہیں...... علاوہ ازیں یہ بھی سوچنا چاہیے...... کہ ابن ہمام نے محمد بن اسحاق کی روایت مستحب غیر مستحب کی بحث میں پیش کی ہے...... یا حلال وحرام میں اور یہ صورت بھی الزاماً ذکر کی ہے...... یا تحقیقاً...... اس پر مزید غور وفکر درکار ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔12 ستمبر 55ء

ہاں! ہمیں مولانا محمد ابراہیم میر کے نظریہ تقلید سے اتفاق ہے وہ اسے نہ گناہ سمجھتے ہیں...... اور نہ اپنے اور ہمارے بین اختلافی مسئلہ خیال کرتے ہیں ان کے نزدیک تقلید مجتہد صرف اس صورت میں ہے کہ اس سند پر کوئی صحیح حدیث نہ ملے۔

مولانا محمد ابراہیم لکھتے ہیں:

''مطلق تقلید کسی متبحر باعمل عالم کی بوقت اپنی لاعلمی کے اس شرط پر کہ جب کوئی حدیث صحیح اس کے خلاف ملے گی تو اسے قبول کرلیا جائے گا اور اس شرطی تقلید کو چھوڑ دیا جائے گا۔''

(نزاعی امر نہیں ہے حنفی اہلحدیث مصنفہ مولوی ابراہیم ص:4)

جس مولانا محمد ابراہیم صاحب نے مسئلہ تقلید میں ہماری بات تسلیم کر لی ہے...... کاش کہ وہ محمد بن اسحاق کی روایت کی بناء پر جو نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے...... انہیں بے نماز قرار دینے کے فتوے سے بھی رجوع فرمالیں ...... یہ ان کی اس بڑی عمر میں ایک بڑی نیکی ہوگی...... اور غیر مقلدین کی اسلام کے لئے ان کا یہ ایک مؤثر قدم ہوگا...... ان آباء کی پیروی جو اہل علم ہیں...... اور ہدایت پر ہیں...... ہرگز وہ تقلید آباء نہیں جن سے قرآن کریم نے منع کیا ہے...... ورنہ حضرت یوسفؑ کبھی یہ نہ کہتے...... وَاتَّبَعتُ مِلَّةَ آبَآءِ ی ...... ہاں ان باپ دادا کی پیروی جائز نہیں...... جو علم سے اور نور ہدایت سے محروم ہوں......

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآءُ هُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْأً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ......ضبط ملت...... وَاتَّبَعتُ مِلَّةَ آبَآءِ ی......سے میسر آتا ہے۔

واخر دعونا ان الحمد لله رب العالمين